رشید اختر

مسلمان مؤرخین

(سلسلہ کے لئے دیکھئے ثقافت مئی ۱۹۶۲ء)

احمد بن محمد مسکویہ

احمد بن محمد مسکویہ، ابو علی الخازن، تاریخ کے ان بزرگ علماء میں شامل کئے گئے ہیں جن کی تصانیف نے عمر دوام پائی ہے۔ وہ پہلے مجوسی تھے، پھر اسلام لائے، بڑے اونچے عالم، ذہین طباع اور ادیب تھے۔ بدیع الزمان ہمدانی جیسے ادیب ان کا لوہا مانتے تھے۔ یاقوت نے بدیع الزمان ہمدانی کا ایک طویل مکتوب نقل کیا ہے، جس کے انداز سے یہ بات خوب واضح ہوتی ہے کہ بدیع الزمان کے نزدیک[ا] احمد بن محمد مسکویہ کی شخصیت غیر معمولی تھی۔

ایک زمانہ ان پر ایسا بھی آیا جب وہ کیمیا میں برسوں تک مشغول رہے۔ ابو الطیب الرازی اور وہ مل کر کیمیا کے تجربے کرتے، یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ابن عمید کے کتب خانہ کے خازن تھے۔ جابر بن حیان اور ابو ذکریا کی کتابوں پر جان دیتے۔ بنو بویہ کے سبب، بڑے مزے کی زندگی گذاری۔ بہاء الدولہ ان کا بہت احترام کرتا اور وہ انھیں اس درجہ چاہتا کہ مسکویہ نے کبھی خود کو بہاء الدولہ سے کمتر محسوس نہ کیا۔ انھوں نے عبد الملک کے قصیدے سے بھی کہے، لیکن بالکل اسی انداز میں جیسے ایک دوست دوسرے دوست کے متعلق کچھ لکھتا ہے۔

سرکاری کتب خانہ کے خازن ہونے کے سبب ان کو کافی وقت فرصت کا ملتا۔ اس وقت میں انھوں نے کئی بہترین کتابیں تصنیف کیں، کتاب الفوز الاکبر، الفوز الاصغر، انس الفرید، کتاب ترتیب العادات۔ کتاب الجامع، کتاب جاودان خرد، اور کتاب السیر، اخلاقی و ادبی موضوعات پر

ا۔ معجم الادباء جزء ۵ ص۶ ص۶ ص۷،

ہیں۔ ان کی جس کتاب نے انھیں بڑے مؤرخین کی صف میں جگہ دی ہے وہ تجارب الامم و تعاقب الہمم ہے۔ یہ کتاب ہماری بڑی تاریخی دستاویزوں میں شمار کی گئی ہے خصوصیت سے اس کا پانچواں اور چھٹا حصہ جو پوری ایک صدی (چوتھی صدی ہجری) کے حالات پر مشتمل ہے، بہت اہمیت رکھتا ہے اور وہ اس لئے کہ احمد بن محمد مسکویہ خود چوتھی صدی ہجری کی پیداوار تھے۔ انھوں نے بنو بویہ کے اقتدار کو بہت قریب سے دیکھا۔ بہاؤ الدولہ کے بہت پیارے ساتھی ہونے کے سبب انھیں دربار میں رسائی تھی، اس لئے انھوں نے جو کچھ لکھا ایک عینی شاہد کی حیثیت سے لکھا۔ غالباً یہی سبب ہے کہ تجارب کے یہی دو حصے جنھیں "قسم الاخیر" کا نام چھاپنے والوں نے دے کر بہت اہتمام سے کئی بار چھاپا، مؤرخین میں زیادہ پسند کئے گئے ہیں۔ اصل کتاب طوفان نوح کے بعد سے شروع ہوتی ہے اور ۳۶۹ھ تک کے حالات کو اپنے دامن میں لئے ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد "تذکار لجنۃ جب کے اہتمام سے" لیدن سے ۱۹۰۹ء میں طبع ہوئی چھٹی جلد بھی لیدن سے چھپی (۱۹۱۳ء) الشرکۃ التمدن مصر اسے چار حصوں میں چھاپ چکی ہے۔ نئی چھاپ کے کئی نسخے ہمارے ہاں کی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

مصنف کی ایک اور کتاب جو "تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق" کے نام سے پہلے آستانہ سے ۱۲۹۸ھ میں مطبع وادی النیل سے ۱۲۹۹ھ میں پھر مطبع الترقی سے ۱۳۱۷ھ اور پھر مطبع المعارف بیروت سے ۱۳۲۷ھ میں چھپی، ہماری قوم کا بہت قیمتی سرمایہ ہے یہ کتاب اخلاق پر ہے اور اس نے مصنف کو بڑے معلمین اخلاق کے گروہ میں جگہ دے دی ہے۔ یوں یہ امر واقع ہے کہ مسکویہ اپنے وقت کے بڑے فلسفی تھے، ان کی کتاب "الفوز الاکبر" اور "الفوز الاصغر" فلسفہ کی ایک مستند کتاب سمجھی گئی ہے۔ الفوز الاصغر بیروت سے ۱۳۱۹ھ میں چھپ چکی ہے۔

مسکویہ نے افلاطون کی ایک کتاب "لغز قابس" کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ ترجمہ بھی یورپ سے ان کے نام پر کئی بار طبع ہو چکا ہے۔ ۴۲۱ھ میں انتقال کیا۔[۱]

۱۔ معجم الادباء جزء ۵ ص ۵۔

المرزبانی

ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی بھی چوتھی صدی ہجری کے بڑے مورخین میں شمار کئے گئے ہیں ابن مسکویہ کی طرح ان پر بھی حکمت و فلسفہ کا غلبہ تھا، مگر اس کے باوجود انھوں نے تاریخ میں کئی بہت جید اور اونچے پایہ کی کتابیں لکھیں۔ تشیع کی طرف مائل تھے۔ امام بغوی اور ابوداؤد السجستانی سے علم سیکھا[1]۔

یاقوت حموی ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں "الراویۃ الاخباری، الکاتب کان راویۃ صادق اللہجۃ، واسع المعرفۃ بالروایات کثیر السماع، صنّف کتبا کثیرۃ من اخبار الشعراء والامم والرجال" یہ مورخ اور کاتب تھے، ایسے مورخ جن کا بیان سچائی پر مبنی ہوتا۔ بہت سی روایات کا علم رکھتے تھے۔ انہوں نے شعراء امم اور رجال کے حالات میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ یاقوت ہی کا بیان ہے کہ المرزبانی، خالص "ادیبانہ" زندگی گذارتے، جب لکھنے بیٹھتے، تو نبیذ کا ایک بڑا جگ بھر کر پاس رکھ لیتے، نبیذ پیتے جاتے اور لکھتے جاتے[2]۔

ابن الندیم کے ہمعصر تھے[3]۔ اس نے ان کی زندگی کو دیکھا، اور تصانیف پر نظر بھی کی۔ وہ ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ابن الندیم نے جب "الفہرست" مرتب کی تو اس وقت ان کی عمر کوئی اسّی سال کے قریب تھی اور ان کی بڑی تالیفات عام ہو چکی تھیں اور لوگ انھیں اپنے وقت کا ایک بڑا مورخ مان چکے تھے۔

یاقوت اور ابن الندیم نے المرزبانی کی بہت سی تصانیف کے نام گنوائے ہیں۔ اور حجم کی وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً ان کی کتاب "اخبار الشعراء" پانچ ہزار اوراق پر مشتمل تھی۔ جس میں امراء القیس سے آغاز کیا تھا اور اپنے زمانہ کے شعراء پر خاتمہ، شعراء کے علاوہ انھوں نے زہاد کا بھی ایک تذکرہ لکھا۔ اس کے علاوہ مغازی پر بھی ایک تین سو صفحات کی کتاب تیار کی۔ متکلمین کے حالات بھی لکھے اپنی ایک اور کتاب میں جس کا نام انھوں نے المعجم رکھا تھا، شروع سے لے کر اس وقت تک کے شعراء کے حالات

۱۔ ابن خلکان جز ثالث ص ۴۷۵ ، ۲۔ یاقوت جز ۱۸ ص ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۳۔ ابن الندیم الفہرست ص ۱۳۳ ،

حروف ابجد کے تحت رقم کئے۔ یہ کتاب کوئی ہزار ورق کی تھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے المقتبس کے عنوان سے ایک اور تذکرہ مرتب کیا جس میں تمام نحویوں ادیبوں اور قراء کے حالات بیان کئے۔ اس کے بعد الواثق کے نام سے جو کتاب لکھی اس میں تمام بڑے گانے والوں اور گانے والیوں کے حالات تحریر فرما دیئے۔[1]

المرزبانی نے ان فن کاروں اور ادیبوں کے علاوہ ابو مسلم خراسانی پر سو صفحے تحریر کئے اسی طرح البرامکہ پر پانچ سو صفحے کی ایک مستند کتاب تصنیف کی۔ یہ کتاب چھپ نہیں سکی، ورنہ البرامکہ کے حالات میں وہ اشتباہ پیدا نہ ہوتا جو بعد کی تصنیفات کا ایک لازمی جزبنا۔

المرزبانی پہلے مؤرخ ہیں جنھوں نے یزید بن معاویہ کا دیوان مرتب کیا گو یہ چھوٹا سا دیوان تھا لیکن اسے تقدم کا شرف نصیب ہوا۔ بعد کے لوگوں نے اس میں کچھ اضافے بھی کئے۔ ابن خلکان نے یہ دیوان حفظ کر رکھا تھا۔[3]

ابن خلکان کی روایت کی رو سے المرزبانی ۳۸۴ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ابوبکر خوارزمی نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ شارع عمرو الرومی میں اپنے ہی مکان میں دفن کئے گئے

الصولی

محمد بن یحییٰ ابوبکر الصولی بھی ان مؤرخین میں بہت ممتاز ہیں جن کے وجود سے ہماری تاریخ میں بہت قابل قدر اضافہ ہوا۔ الخطیب بغدادی کا بیان ہے کہ الصولی ان بڑے علماء میں سے تھے جو اخبار الملوک، ایام خلفا اور مآثر اشراف و طبقات شعراء کے علم میں بڑے ماہر تھے۔ ابو داؤد السجستانی اور المبرد جیسے مشائخ سے علم پڑھا۔ بڑی معلومات رکھتے تھے، بہت اچھا حافظہ پایا تھا اور تصنیف کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ بادشاہوں کی صحبت میں بیٹھنے کے آداب بھی خوب معلوم تھے۔

الخطیب کے بیان کی رو سے انھوں نے تاریخ کے ہر شعبہ میں مستقل تصانیف کیں۔ بادشاہوں

۱؎ یاقوت حموی جزء ۵ ص ۲۷۱، ۲؎ ابن الندیم الفہرست ص ۱۳۲، ص ۱۳۳، ۳؎ ابن خلکان ج ۳ ص ۶۷۴

شعراء، وزراء، کتّاب، رؤسا اور ان کے حالات پر قلم اٹھایا اور بہت عمدہ کتابیں لکھیں الخطیب نے ابن شاذان کی روایت لکھی ہے کہ الصولی نے ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں نہایت ترتیب سے کتابیں سجائی گئی تھیں، ہر شیلف کے ہر حصہ کی کتابوں کی جلدیں الگ الگ رنگ کی تھیں کوئی سرخ تھی، کوئی سنہری، کوئی نیلی، کوئی پیلی۔ ان کتابوں کے بارے میں الصولی کا اپنا بیان تھا کہ یہ ساری کی ساری سماعی ہیں[۱]

الصولی کی جلالت قدر کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکے گا کہ مشہور محدث دارقطنی ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔

تین عباسی خلفاء الراضی، المقتدر اور المکتفی کے مصاحب بنے اور تینوں کے دربار میں غیر معمولی احترام انھیں نصیب ہوا۔

شطرنج خوب کھیلتے تھے اور ان کے زمانہ میں شطرنج کھیلنے میں کوئی دوسرا ان کا مدمقابل نہ تھا۔ المکتفی ان کے ساتھ بیٹھ کر شطرنج کھیلا کرتا۔ الراضی کو تعلیم بھی دی تھی۔ ابن خلکان کے بیان کی رو سے یوں تو وہ ہر علم میں درک رکھتے لیکن تاریخ میں غیر معمولی امتیاز حاصل تھا اور ان کی زیادہ تر تصانیف اسی موضوع پر ہیں۔

الوزراء، الورقہ، ادب الکاتب، الانواع، اخبار ابی تمام، اخبار القرامطہ الغرر، اخبار ابی العلاء، اخبار ابن ہرمہ، اخبار الجبیری، اخبار اسحٰق بن ابراہیم، العبادلہ، اور اخبار الشعراء ان کی بہت اہم تصانیف ہیں اور سوائے ایک کے سب کی سب تاریخ و سیر پر ہیں[۲]

انھیں آخر وقت میں بغداد سے بھاگنا پڑا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے حق میں ایک روایت اس فرار کا سبب ہوئی۔ لوگ انھیں مارنے کو دوڑے بے چارے چھپ کر بھاگے اور بصرہ میں چھپ کر رہے اور وہیں ۳۲۵ھ ہجری میں انتقال فرمایا[۳]

۱۔ الخطیب جزء ۳ صفحہ ۴۳۱ ص ۴۳۳؛ یاقوت حموی جزء ۱۹ صفحہ ۱۱۱۔ ۲۔ ۳۰۲، ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۴۷، الیاقوت حموی جزء ۱۹ صفحہ ۱۱۱؛ ابن الندیم الفہرست صفحہ ۱۵۱۔ ۴۔ ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۴۸

التنوخی

ابو علی المحسن بن علی التنوخی اپنے وقت کے ان بڑے علماء میں سے ہیں جنھوں نے اپنی ذہانت طباعی اور علم وفضل کے سبب غیر معمولی شہرت پائی۔ انھوں نے عظمت و بزرگی اپنے والد علی بن محمد التنوخی سے ورثے میں پائی تھی۔ ثعالبی نے ان کے والد کے علم وفضل کی بہت تعریف کی ہے۔ اور انھیں اعیان اہل العلم والادب میں شمار کیا ہے[1]۔ بصرہ واہواز کے قاضی تھے۔ اپنے والد کے زمانہ میں المحسن التنوخی نے، باپ کی نیابت کی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کے والد انتقال کر گئے تو ہوا کا رخ کسی قدر پھر گیا تھا۔

یاقوت حموی کے بیان کی رو سے اس وقت التنوخی کی عمر بیس سال کی تھی کہ اچانک وزیر ابو محمد المہلبی سوس آئے۔ التنوخی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی حالت کہی تو وزیر المہلبی نے ابو السائب قاضی القضاۃ کو ان کے حال پر متوجہ کیا۔ ابو السائب نے انھیں اپنا منظور نظر بنا لیا۔ اور یکے بعد دیگرے کئی بڑے شہروں کا قاضی بنایا۔ پھر عضد الدولہ ان پر مہربان ہو گئے اور انھیں اپنا ندیم بنا لیا۔ اور کئی بڑی خدمات سونپیں۔

عضد الدولہ ان کا بہت احترام کرتے۔ انھیں اپنے پہلو میں جگہ دیتے اور انعام و اکرام سے نوازتے رہتے۔ یاقوت کے بیان کی رو سے آخر عمر میں عضد الدولہ ان سے ناراض ہو گئے تھے اس ناراضگی کا سبب بھی عجیب تھا۔ عضد الدولہ کی بیٹی خلیفہ عباسی الطائع سے بیاہی ہوئی تھی التنوخی کو پیغامبر بنا کر الطائع کی خدمت میں بھیجا لیکن التنوخی نے عضد الدولہ کا پیغام الطائع تک نہیں پہنچایا اور بیماری کا عذر کر دیا۔ یہی عذر دونوں میں شکر رنجی کا سبب ہوا اور عضد الدولہ نے التنوخی کو ان کے گھر میں نظر بند کر دیا۔ باہر نکلنے اور کہیں آنے جانے کی سخت ممانعت کر دی یہ ممانعت عضد الدولہ کی موت تک قائم رہی۔

اسی عزل یا نظر بندی کے زمانہ میں التنوخی نے اپنی مشہور عالم اور انتہائی قیمتی کتاب نشوار المحاضرۃ[2]

۱۔ ابن خلکان جز ۳ ص۴۵

تصنیف کی جس میں بیس سال کے حالات تفصیل سے بیان کئے ۔ ۳۶۱ھ سے اس کا آغاز کیا[۱] ۔ اور ۳۸۰ھ پہ انجام ۔ بیس سال کی اس مدت کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسری روئیداد مرتب نہ ہوسکی ۔

" نشوار المحاضرۃ" کے بعض اقتباسات یاقوت نے معجم الادباء میں نقل کئے ہیں یہ سارے کے سارے اقتباسات ایک طرح سے ذاتی ڈائری کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ میں نے اس کتاب کا ایک نسخہ المظاہریہ میں دیکھا اور اس کے کچھ ابواب بھی پڑھے ۔ میرے نزدیک یہ کتاب ایک ڈائری یا زیادہ موزوں الفاظ میں رپورتاژ کی حیثیت رکھتی ہے اس کے باوجود یہ ایک اہم تاریخی دستاویز ہے ۔ سب سے پہلے اس کی ایک پہلی جلد اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ کی طرف سے ۱۹۳۱ء میں چھپی ۔ اس کی یہی ایک جلد چھپ سکی ہے ۔

مصنف کی دوسری کتاب " الفرج بعد الشدۃ" بھی ایک اہم تصنیف ہے ۔ اصل میں یہ تین جلدوں میں تھی لیکن مصر سے اس کا جو اڈیشن چھپا ہے وہ دو جلدوں میں ہے ۔ تینوں جلدیں دو یکساں حجم میں تقسیم کردی گئی ہیں ۔

ابو نعیم الاصفہانی

ابن خلکان کے بیان کی رو سے ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی ، اصفہان کے بہت بڑے محدث اور عالم تھے ۔ الذہبی کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی دوسرا حافظ ایسا نہ تھا جسے ان پہ ترجیح دی جاسکتی وہ اپنے زمانہ کے احفظ تھے[۲] ۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑے اونچے درجہ کے زاہد اور صوفی بھی تھے ۔

۳۳۶ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے اور علم کی خاطر عراق و شام کا سفر کیا ۔ ان کے اساتذہ میں مشائخ الدنیا ، ابن مشوذب ، ابو العباس الاصم ، خیثمہ بن سلیمان ، جعفر الخلدی ، ابو سہل بن زیاد بھی تھے ۔ انھوں نے ان سب سے سماع کیا اور انھیں ان سب نے دوسروں کو پڑھانے کی اجازت عطا کی ۔ ان کے شاگردوں میں الخطیب بغدادی بھی تھے الخطیب کا بیان ہے کہ ان کے سوا کسی دوسرے پہ " حافظ" کا اطلاق نہیں ہوتا ۔ الذہبی نے ابن العباس العلوی کا قول نقل کیا ہے کہ چودہ بڑے حفاظ

---

۱ ۔ یاقوت معجم الادباء ص ۹۲ ۔ ۲ ۔ الذہبی تذکرہ جز ۳ ص ۲۹۲ ۔

میں ابونعیم جیسا کوئی دوسرا نہ تھا۔

ان کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" بہترین کتابوں میں شمار کی گئی ہے[۱]۔ الذہبی فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی شہرت ان کی زندگی ہی میں چار دانگ عالم میں پھیل گئی تھی۔ اس کا ایک نسخہ جب نیشاپور پہنچا تو علماء نے اسے چار سو دینار میں خرید لیا۔ الذہبی نے سلفی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اس موضوع پر ایسی کوئی دوسری کتاب کبھی لکھی نہیں گئی[۲]۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اس امت کے زہاد اور اولیاء پر ایسا کوئی دوسرا تذکرہ آج تک نہیں چھپا۔ امام ابونعیم نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے لے کر اپنے زمانہ تک کے آٹھ سو زہاد کا اس میں ذکر کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس ملت کے پہلے زاہد حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، پھر عشرہ مبشرہ، پھر دوسرے صحابہؓ۔

یہ کتاب دس اجزاء پر مشتمل ہے۔ کل ضخامت چار ہزار صفحات ہے۔ مصر سے پہلی بار مطبعۃ السعادۃ سے ۱۳۵۱ھ میں چھپی۔ مصنف نے پہلے جزء میں تصوف و زہد کی تعریف پر چھبیس صفحات مخصوص کئے ہیں اور اپنے سے پہلے علما کی آراء بھی لکھی ہیں۔ صفحہ ۲۸ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ، پھر حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور آخر میں حضرت عبد اللہ بن زبیر کے حالات ہیں۔ مصنف کا انداز بیان وہی ہے جو دوسرے محدثین اور بڑے مؤرخین، محمد بن جریر الطبری، الخطیب اور الذہبی کا ہے۔

مصنف کی ایک دوسری کتاب "دلائل النبوۃ" نے بھی بڑی شہرت پائی ہے۔ یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے (حیدرآباد دکن ۱۳۲۰ھ) دو جلدوں میں ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت عمدہ کتاب سمجھی گئی ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ معرفۃ الصحابہ، تاریخ اصفہان اور کتاب الطب بھی اونچی تصانیف ہیں۔ تاریخ اصفہان کو بھی ان کے دور میں بڑی شہرت نصیب ہوئی تھی۔

ابونعیم نے ۴۳۰ھ کے محرم میں اس دنیا سے انتقال فرمایا[۳]۔

۱۔ ابن خلکان جزء اول ص۴۵، ۲۔ الذہبی تذکرہ جزء ۳ ص۲۹۳، ۳۔ الذہبی تذکرہ ص۲۹۵، ابن خلکان جزء اول ص۴۵، المنتظم جزء ۸ ص۱۰۰۔

الخطیب البغدادی

احمد بن علی الخطیب البغدادی صاحب "تاریخ بغداد" ہماری تاریخ کا ایک بہت قیمتی سرمایہ ہیں۔ ابن النجار کا بیان ہے کہ اگر خطیب بغدادی اپنی عمر میں صرف تاریخ بغداد ہی لکھتے اور کوئی دوسری کتاب تصنیف نہ فرماتے تو بھی ان کی جلالت قدر میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔[1] یاقوت نے الخطیب کو آئمہ مشہورین اور مصنفین المکثرین میں شامل کیا ہے۔ اس کے خیال میں ان پر محدثین کا دیوان ختم ہوا۔

بغداد میں ۳۹۲ھ ہجری کے جمادی الآخرہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے بغداد کے شیوخ سے علم پڑھا، پھر بصرہ تشریف لے گئے جو اس وقت علم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ پھر نیشاپور، اصفہان، تہران و جبال کے شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علم کا سرمایہ جھولی میں بھر کر بغداد آئے۔

یاقوت نے المؤتمن الساجی کا قول نقل کیا ہے کہ بغداد میں دارقطنی کے بعد کوئی عالم الخطیب کے پایہ کا پیدا نہیں ہوا۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "المنتظم" میں خطیب کی جلالت علمی کی ایک مثال پیش کی ہے کہ القائم باللہ کے حضور یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر پیش کی جس میں خیبر کے جزیہ کی معافی کا حکم لکھا تھا۔ الخطیب جب بغداد آئے تو القائم باللہ کے وزیر ابن مسلمہ نے یہ تحریر خطیب کو دکھائی۔ الخطیب نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ جعلی دستاویز ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ رائے کیسے قائم کی؟ الخطیب نے جواب دیا کہ اس دستاویز پر معاویہؓ بن ابی سفیان اور سعد بن معاذ کے دستخط بطور شاہد ثبت ہیں، حالانکہ معاویہ فتح مکہ کے روز ایمان لائے اور سعد بن معاذ یوم الخندق میں انتقال فرما گئے تھے۔[2]

ہمدانی کا بیان ہے کہ الخطیب جب بغداد میں آئے تو ان کی جلالت قدر کے سبب علمائے وقت کو حکم دیا گیا کہ وہ اس وقت تک کوئی حدیث بیان نہ کریں جب تک الخطیب کو یہ حدیث سنا نہ لیں۔ اگر

---

[1] ابن النجار "تاریخ بغداد" (ترجمہ الخطیب) ابن خلکان جزو اول صفحہ ۲۷، [2] المنتظم جزو ۸ (ابن الجوزی) صفحہ ۲۶۵۔

الخطیب اس حدیث کو سد کردیں تو اسے وہ کسی دوسرے کو نہ سنائیں [۱]۔ یہ ان کی جلالتِ قدر اور فہم و ذکا کی ایک معمولی مثال تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ الخطیب اپنے وقت کے نقیب تھے۔ ان کا علم مہر و ماہ کو شرماتا تھا۔ وہ بدر کامل تھے اور ان کی روشنی کے سامنے ستاروں کی آنکھیں جھپک جھپک جاتیں۔ ان کے بارے میں الذہبی نے ان کے دور کے بعض اساتذہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ابن ماکولا کے نزدیک الخطیب حفظ و اتقان اور علم صحیح و غریب و فراد میں اپنی مثال آپ تھے۔ ابو اسحاق شیرازی نے انھیں دارقطنی کا ہم پلہ قرار دیا [۲]۔

شروع میں الخطیب، امام احمد بن حنبلؒ کے پیرو کار تھے، پھر امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کیا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حنابلہ نے ان پر یورش کی اور انھیں بغداد سے بھاگ کر شام میں پناہ لینی پڑی۔ وہ صور، طرابلس، دمشق اور حلب میں کئی سال تک ٹھہرے۔ جہاں گئے وہاں علم پھیلایا اور خلقِ خدا کی راہنمائی کی۔ آخر عمر میں پھر وطن تشریف لے آئے۔

ابن الجوزی کے بیان کی رو سے الخطیب نے چھپن اونچے درجہ [۳] کی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے سب سے اہم کتاب، تاریخ بغداد ہے۔ یہ تاریخ چودہ جلدوں میں بغداد سے حال ہی میں چھپی ہے۔ اس میں بغداد کی تاریخ کے علاوہ ان تمام اکابر محدثین و مؤرخین، ادباء، مصنفین، شعرا، سیاستدانوں، فقہا اور امراء کا ذکر ہے جو بغداد کے رہنے والے تھے یا بغداد تشریف لائے۔ تاریخ بغداد، ہماری تاریخ کا بہت قیمتی سرمایہ ہے اور چونکہ الخطیب خود بہت بڑے عالم اور ثقہ محدث تھے اس لئے ان کی یہ تاریخ بھی بہت بڑا ماخذ سمجھی گئی ہے۔

تاریخ بغداد کے علاوہ الخطیب نے حسب ذیل کتابیں تالیف کیں:۔

(۱) کتاب الجامع الاخلاق الراوی (۲) آداب السامع والکفایۃ فی معرفۃ اصول علم الروایۃ (۳) کتاب باقی التلخیص، (۴) کتاب الفصل والوصل (۵) المکمل فی بیان المہمل (۶) الفقیہ والمتفقہ،

---

[۱] یاقوت حموی جزء ۴ صـ ۱۸، [۲] الذہبی تذکرۃ الحفاظ جزء ۳ صـ ۳۱۳، [۳] المنتظم جزء ۸ (ابن الجوزی) صـ ۲۶۶،

(۷) کتاب غنیۃ المقتبس (۸) کتاب اسماء المبہمہ والانباء المحکمہ۔ (۹) کتاب الموضح اوہام الجمع والتفریق (۱۰) کتاب المؤتنف لکملۃ المختلف (۱۱) کتاب تمییز الصواب (۱۲) کتاب الجہر (۱۳) کتاب رفع الارتیاب (۱۴) کتاب القنوت (۱۵) کتاب التبیین (۱۶) کتاب تمییز المزید (۱۷) کتاب من حدث فنسی (۱۸) کتاب روایۃ الاباء عن الابناء (۱۹) کتاب الرحلۃ (۲۰) کتاب الرواۃ عن مالک (۲۱) کتاب الاحتجاج عن الشافعی فیما اسند علیہ (۲۲) کتاب التفصیل کتاب اقتضاء العلم بالعمل (۲۳) کتاب تقیید العلم (۲۴) کتاب القول فی علم النجوم (۲۵) کتاب روایات الصحابۃ عن التابعین (۲۶) کتاب صلوٰۃ التسبیح (۲۷) کتاب مسند نعیم بن حماد (۲۸) کتاب النہی عن صوم یوم الشک (۲۹) کتاب الاجازۃ للمعدوم والمجہول (۳۰) کتاب روایات الستۃ من التابعین (۳۱) کتاب البخلاء۔ الذہبی نے چند اور کتابوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔ ابن الجوزی ان کتابوں کے نام گنوانے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ الخطیب کی وہ کتابیں ہیں جو منظر عام پر آئیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کچھ تالیفات منظر عام پر نہ بھی آئی ہوں۔ ان کتابوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ الخطیب کا علم کس قدر وسیع تھا۔

دنیائے تاریخ کے یہ جلیل القدر امام مرنے سے پہلے وصیت کر گئے تھے کہ ان کا تمام روپیہ اور کپڑے ان کی موت کے بعد علماء میں بانٹ دیئے جائیں۔ کتابیں علماء کے لئے وقف کر دی تھیں۔ مدرسہ نظامیہ کے پہلو میں سے جہاں وہ رہتے تھے ان کا جنازہ بڑی شان و شکوہ سے اٹھا۔ بڑے بڑے فقہاء اور علماء جنازہ کے ساتھ ساتھ چلے۔ نقیب جنازہ کے آگے آگے پکارتے جاتے تھے[1] کہ "یہ اس کا جنازہ ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھوٹ کی نفی کرتا تھا۔ یہ وہ تھا جسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث خوب حفظ تھیں۔" اسی شان سے یہ جنازہ پل پر سے گذرا اور کرخ لایا گیا جہاں وہ امام بشر کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں، کہ جس قبر میں وہ دفن کئے گئے۔ یہ ایک بڑے فقیہہ احمد بن علی الطریثیثی نے اپنے لئے کھود رکھی تھی، جہاں وہ کئی سال سے برابر جاتے اور تبرک کے لئے وہاں بیٹھ کر قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ جب لوگوں نے اس قبر میں خطیب کو دفن کرنے کی نیت ظاہر کی تو احمد بن علی مانع ہوئے اور

---

[1] المنتظم (ابن الجوزی) جزء ۸ صفحہ ۲۶۹، الذہبی جزء ۳ صفحہ ۳۳۹، [2] یاقوت حموی جزء ۴ صفحہ ۲۴۱، صفحہ ۲۵ تا

وجہ بیان کی کہ یہ قبر میں نے اپنے لئے کھودی ہے اور قرآن ختم کر کے اسے متبرک بنایا ہے۔ ابوسعد صوفی نے اس موقع پر ان سے پوچھا اگر بشر زندہ ہوتے اور تم اور الخطیب دونوں ایک ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو وہ اپنے پہلو میں کسے جگہ دیتے، تمہیں یا خطیب کو؟ احمد نے جواب دیا: الخطیب کو ابوسعد نے فرمایا، پھر موت کے بعد ان کے پہلو میں دفن ہونے کا حق خطیب کو ہے، نہ کہ تمہیں۔ احمد کو یہ بات بہت پسند آئی اور اپنی قبر الخطیب کی نعش کے لئے دے دی ۔[۱]

ابن الجوزی ہی کا بیان ہے کہ الخطیب کی بہت سی تصانیف آخر میں ان کے بیٹے کے سپرد کر دی گئی تھیں جو مکان میں آگ لگنے کے سبب جل گئیں۔ صرف وہی کتابیں محفوظ رہ سکیں جنھیں ان کے شاگردوں نے ان سے سن کر نقل کر لیا تھا۔ تاریخ بغداد بھی ان ہی باقیماندہ کتابوں میں سے تھی۔

ہماری تاریخ اور حدیث چونکہ ایک طرح سے توام فن ہیں، اسی لئے خطیب دونوں میں سند تھے۔ حدیث و تاریخ دونوں پر انھیں مکمل عبور حاصل تھا۔ وہ حدیث میں بھی حجت تھے اور تاریخ میں بھی۔ انھوں نے حدیث کے راویوں پر جو کتابیں لکھیں ان کو بنیاد مان کر بعد کے محدثین نے جرح و تعدیل کا فن مرتب فرمایا۔ اگر ان کی حدیث کے فن میں لکھی ہوئی تصانیف باقی رہتیں تو وہ مؤرخ سے زیادہ محدث مشہور رہتے اور دنیا ان کے علم کی وسعت پر حیران رہ جاتی۔ الخطیب ہمارے ان مورخین میں بے حد ممتاز ہیں جنھوں نے تاریخ کو حدیث کی طرح زیادہ سے زیادہ یقینی علم بنانے کی سعی کی اور غیر ثقہ روایات کو تاریخ سے خارج کر دیا۔

۱۔ المنتظم جزء ۸ ص ۲۶۹۔ ص ۲۷۰، الذہبی تذکرہ جزء ۳ ص ۳۳۹، ص ۳۴۴۔